



فائزہ افتخار



WWW.PAKSOCIETY.COM



تھا۔
 ”میں نے تو مینے اپنی کچھ میں تمہیں رکھا ہے۔
 میں تمہیں اپنا دودھ میں بھنوں کی اگر تم نے... اور شہید
 و شہید۔“
 شاید ابو جان بھی اپنی انگلی پکڑ کے چلا نا اسے بخشا
 نہیں چاہتے تھے۔ اس کی مسکراہٹ دیکھ کے نیاز احمد
 چڑھ گئے۔
 ”تجارت رازت نکال رہا ہے۔“
 ”آرام سے ابو جان! اپنی نے انہیں دھیمہ کرنا
 چاہا۔“
 ”تجارت سمجھا نہیں سمجھ جائے گا پچھ ہے۔“
 اپنی طرف سے تو انہوں نے حمزہ کی حمایت کی تھی

”بس۔ بہت ہو گیا۔“ وہ ایک جھگڑے سے کھڑا
 ہوا۔
 ”آپ لوگ میری کوئی بات سنتے یہ تیار ہی نہیں۔“
 ”واہ۔ اب ہم لوگ ہو گئے۔“ نیاز احمد نے اسے
 مخصوص طنز پر انداز میں جتایا اور ان کی زود پختہ
 پہلے سے بنے آنسوؤں کی روئی میں اضافہ ہوا۔
 ”ابو جان۔ آپ تو میری ہر بات پکڑ لیتے ہیں۔“
 وہ زچ ہوا۔ جیسے کئی روز سے وہ اپنا غصہ اٹھائیں
 دھجھانے کی کوشش کر رہا تھا مگر ہر بار یہ لنگھو ایک
 دے متعدد بحث میں تبدیل ہو جاتی تھی۔
 اہی جان کا رونا جوتا۔
 ابو جان کے طعنے لگتے۔

فاتحہ فتحکار



مگر وہ تجھ نے کیوں تپ گیا۔
 ”جیسے میں ہوں نہیں بچوں کا باپ ہوں۔“
 ”تم نے اپنے تین بچوں کا رعب ڈالنے کی ضرورت
 نہیں۔“ نیاز احمد کہتے۔ ”جنگل میں مورنا چاس
 نے دیکھا۔“
 ”کیا مطلب؟“ اس موقع پہ حمزہ نے دانی کا
 استعمال اسے ذرا سمجھ نہ کیا۔
 ”جیسے ہم نے تو تمہارا ایک ہی بچہ دیکھا ہے۔ دانی
 کے دو تو تم نے مل باپ کی نظروں سے چھپا کے رکھے
 ہوئے ہیں۔“
 ان کی اس بات پہ اہی جان کے دکھ جیسے بھرے
 رہے بھرے ہو گئے۔ آنسو کچھ اور تیزی سے بنے

ہانی کے اپنے دکھڑے تھے۔
 دکھڑے اس کے بھی کم نہ تھے۔ مگر اس کی
 سنانے کی باری ہی نہ آتی تھی۔ وہ تین ایک طرف تھے
 دو سری جانب وہ آیا۔
 ”میاں! کیا کریں۔“ تمہیں پکڑ نہیں سکتے۔
 اب کیا تمہاری بات بھی نہ پکڑیں۔ وہ انکی پکڑ کے چلنا
 سکھایا ہے تمہیں۔“
 حمزہ کے لبوں پہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہلکی سی
 مسکراہٹ بھیل گئی۔ ابو جان کا یہ مخصوص فقرہ۔
 جسے وہ اس کے سامنے تسلسل سے دہراتے رہتے تھے،
 اس سے سن کر ہر بار اسے ساتھ اور سڑکی باجوں میں بننے
 والی قلموں کی ماؤں کا وہ مشہور زمانہ ڈانٹ لاکھ یاد آ جاتا

ہے ہمارے بچے ہیں۔ ہمارے بچوں کے بچے ہیں۔

”بیباہت دیکھیں نہیں سمجھتے صاحب!“
پہلی بار خاتون کی گفتگو آواز میں افسردہ لگتی ہوئی
محسوس ہوئی۔
”سمجھ جائیں گے۔“

”صرف اپنی بیویوں کی زبان سمجھتے ہیں۔“
”ہاں بھئی، بچہ پارک کی زبان سمجھتا ہے اس معاملہ
پر وہ کہہ کر ان کی بیویوں نے ان سے پارک کی زبان اور
اپنا بنا لیا۔ اب سب کچھ سمجھنے لگی ہیں بل کہ دیکھیں
بچہ صاحب!“
”ہاں ہاں۔ میں نے تو جیسے ہمدردی کی نوک پر رکھ
کے پالے ہے۔ ایش۔ اب سب کچھ سمجھ جائیں گے ہیں
بچہ صاحب!“ وہ شاید برہان کریں۔
”یہ صرف بیوی کی زبان سمجھتے گے قاتل گرہ لگے ہیں۔
بس خود کہہ دیں۔ یہ سچ ہے۔“
”کچھ سمجھتا تم بھی کر لو۔ بدلے وقت کے
بدلتے قاتلوں کے آگے سر ہٹا کر دیکھنا چاہیے۔“

”میں کیوں سر ہٹاؤں؟ وہ چھوٹے ہیں۔ وہ سر
ہٹا کر نہیں۔ غضب خدا کا۔ ہاں باب ہو کر مرن
کے آگے جھکیں۔ اس گھر کا کوئی لنگر رہے۔
ہوؤں کے قہقروے نہ بجا کریں۔ اس کے لیے میں کیا
نہیں کرتی۔ اپنا اور آپ کا ناشتہ خود پانی ہوں کہ نہیں
ماریت سے نماز کے فورا بعد ناشتہ کرتی کہ۔ اور وہ
کھوپیاں دن چڑھ کر تھکے تپے ایڑنے کی عادی۔ ان
کی خیر خراب نہ ہوں اس لیے نہ صرف ان اور آپ کا
ناشتہ بناتی ہوں بلکہ اسکول جانے والے دو بچوں کا
ناشتہ اور ساتھ ہی سنے والا چائے بھی۔ میں اپنی ہوسوں
اسان نہیں کرتی جوتایا جائے میرے پے اور پوٹی
ہیں وہ۔ میں خوشی خوشی ان کے سارے کام کروں
مگر بدلے میں میرے نہ کسی۔ خود کار سارا تو
ہیں۔ پھر میری سہ مدد پر رہتے ہیں۔ ایک وقت کا گھانا
کھانا بناتی ہوں۔ اکثر کچھ نہ کچھ شہنائی پڑتی ہوں۔
”اوں کو تو توفیق نہیں ہوتی کبھی شہنائی نہ لے۔ ایک

تو بچہ لڑے آپ لے رہے ہیں۔ آپ کا ہمارے
محکم کیا ہے جو میرے بھابھ کے کورسوار کر رہے ہیں۔
جائیں آپ جا کر کھائیں۔“
”پھر کھائیں۔“
”کوئی بھی جگہ جو خود جا کر کریں سمجھ سے جنگ نہ
کریں۔ سمجھ سے جنگ کرنے کے لیے آپ کی اولاد اور
ان کی بیویوں کا ہتھامو جو ہے۔“
”جیسے اب آپ لے رہے تو آگاہ کیا واک ہوتی نہیں ہم
سے۔ چلو گھر پر چلیں۔“ ”مروے انگریزانی۔
مروا اس وقت اپنی ساری سوسپن بھلائے ان دونوں
عمر رسیدہ میاں بیوی کی لچک لوک جو تھک تھکے
تھکے اس کے اسی بوجھ میں ایک عمر ساتھ گزار
لینے کے بعد ایک جنگ کا دروازا کھلا دیا۔ دونوں
بھی کھیلتی تھکی تھکی سے اپنی مڑے کی گفتگو نہیں
کرتے تھے۔ اپنی کارخانہ خروس سے دبا ہوا صبح جو
تھا۔ شوہر کی ہاں میں ہاں ملانا ان کی عادت تھی
دوسری طرف ابو خودخواہ اپنی ذات کا رعب اور دبدبہ
قائم کرنے کی کوشش میں مصروف رہتے۔
”گھر میں کیا رکھا ہے؟“ ”خاتون نے بے زاری سے
کہا۔
”گھر میں۔“ ”جو جیسے سوچ میں پڑ گیا۔
”گھر میں ہمارے دو بیٹے۔ ہمارے بھابھ کے
سہارا۔ ان کی دوسری بیوی نے ہمارے اہمالوں سے
لاٹی اور تمہاری خاتون سے ہند کی مٹی ہوؤں ہمارے
چار پوتے اور دو پوتیاں اور آج ہفتہ سے شاید ہمارے
بچے بھی آئی ہو۔ اس طرح گھر میں دو عدد بیٹوں دو عدد
بیویوں اور چھ پوتے پوتیاں کے علاوہ ایک عدد بیٹی
کی عدد اولاد اور دو عدد نواسوں کی موجودگی کا بھی امکان
ہے۔“
”ہاں۔ میں اسے اندوہنا شمار رہتی ہوں شہ صاحب!
مجھے نہیں چاہا گھر۔ ابھی ایک گھنٹہ بھی تو نہیں ہوا
میں گھر سے نکلے میرا دل میں چاہا میری جلدی
اس سچ میں چلے گئے۔“
”بیباہت نہیں بیباہت نہیں۔ ابھی ہے وہ ہمارا گھر

تو اس کو صرف بھگم کیا جا سکتا ہے۔“
اس بار یہ چڑا نہ والا جواب مروی جانب سے آیا تھا۔
مروے ان کی توانوں اور پوچھوے ہوئے سے سانسوں
سے اندازہ لگایا کہ وہ اس کے اسی او کی عمر کے ہیں
گے۔
”مجھے نکلنے نہ کرنا شہ صاحب۔! یہ کام آپ کی
اولادیں زیادہ اچھی طرح کرتی ہیں۔ اور یہ بھرے
کرتی ہیں۔ مجھے جیسے گھر کے لیے آتے ہیں
جائیں۔ جاکے کھائیں۔“
”تھیں؟“ ”مروے ایک فلک شکاف قہقہہ لگایا
جس کے نتیجے میں اسے زور کی گھاسی آئی۔
”ہاں۔؟“ ”کل کی پول بڑے میاں؟“ ”خاتون
نے نظر کیا۔
”تمہارے بیگ صاحب۔! اتنا تو سوچ لیا کر کہ
میں نکلے اوب اور تمہارے سے نہیں بیگ صاحب کہہ
کر نکارنا ہوں اور تم ہو کہ میرا ہم یوں بڑے میاں کہہ
کر بد فہمی کا مظاہرہ کر رہی ہو۔“
”تو مت لاکر میں بیگ صاحب۔! انتخاب صورت
نام سے میرا کل ہمارا نام سے کیا لیا کر میں یا پھر خالی بیگ
کہہ لیا کر میں۔ اس طرح صاحب کا دم چلا لگائے سے
مجھے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لوگ آپ کے بارے میں
بھی غلط فہمی کا شکار ہوں گے۔“
”یہ معاملہ ہے۔“
”میں سمجھیں گے کہ کوئی ملازم اپنی بیگ صاحب کے
ساتھ بیٹھا ہے۔“
”تو پھر غلط فہمی کا شکار ہو آپ کے بارے میں ہوں
کے بیگ صاحب۔“ ”مروے نے بجائے تپ جانے کے“
مڑے سے ہونے لگا۔
”میں نہیں گے کہ بڑھیا کیسی آزاد خیال اور دلگلیں
مزاں سے اور کتنی میں ملا تو ملازم کے ساتھ پارک میں
گھومتی آتی ہوتی ہے۔“
”ارے۔۔۔ رے۔۔۔ کسی باتیں کر رہے ہیں؟
شرم تو میں آتی۔ مجھے تو لگتا ہے ہوں گے کے سارے

وقت کی بڑی ہی کٹی ہوئی مومن میں تو قیمت جانو۔
تو مجھ کی پڑا لاسری کر کے، یاد نہ بھی میرا لے کو کہا
کہا کہ گھر ہے کتنی شش اور میرے لاکے مکان کا
کر آئے۔ خود ملازم کی خود لے ہیں اور بغیر
کسی کی جھٹائی کے زندگی گزار رہے ہیں۔ وہی پڑنے
دو جو اسری کر کے دے رہا ہے۔ ہمتاں جانا تو
جے جانا ہے۔ چھوٹے بڑے کی کام کر دیتا ہے۔
صرف اس لیے کہ بڑا سودیہ نہیں دیتے ہیں ہم۔
سوچے اگر نہ دے دیتے تو ہمارا بھلا سب قدر گزار
ہو رہا ہو کہ ان بے فہموں کے آسے بڑے
ہوتے۔ شکر ہے اللہ تعالیٰ کا کہ اس نے ان جھٹان
نہیں کیا مگر کیا ہے اسی ہے۔ دل تو اب بھی ان کا
محتاج ہے ان کی توجہ اور محبت کا بھوکا۔ ہمیشہ کا
ضرورت مند۔“
”اس پے شکر کہ کہ بچے تمہاری آنکھوں کے
ساتھ ہیں۔ صحت مند ہیں کھاتے کما تے اور گلن
ہیں اپنی اپنی زندگی میں سیٹ ہیں اور میں اس عمر میں
کیا چاہے۔ کم از کم ہمیں اب کسی اولاد کی جانب سے
کوئی فکر تو نہیں رہی۔ ایک نیا شجر کا مشہور وارث
اپیشٹا ہے۔ وہ سارا شجر کا سب سے قابل دلیل
۔ ایک ہوا ہوا تعلیم یافتہ۔ دوسری ذرا کم عمر حسن و
خوب صورتی میں اپنی مثال آپ ہے۔ سب کچھ ہیں کہ
میں کیسی ہوں یا پھر میرے دونوں بیٹوں کی زندگیوں سنور
لیں۔“
”ہوئے۔“ ”خاتون نے سر جھٹکا۔
”اور اللہ کے فضل سے دونوں صاحب اولاد بھی
ہیں اور ہماری ہوا کوئی بھی ہماری پیاری بیٹی نہ ہو سکتی
تھیں خوشی اور مطمئن ہیں۔“
”ہاں! ان خوشی۔ اس خطی مطمئن کہ ہاں بل کھلا
ہی دیا ہے اس نے اب اس کا سب کچھ اس کا شہرہ
اس کے بچے اور اس کا سارا ہے۔ وہی اس کی زندگی
ہے۔ جو تو جیسے چھ ہی نہیں۔“
”فکر نہ کرو۔ شکر ہے۔ زندگی کے کسی معاملے پر تو
اللہ کا شکر کرنا۔ کوئی بھولوں کے لیے یہ دعائیں

موتاًیرے سے نجات

کہا جاتا ہے کہ ہر بیماری کی جڑ پیٹ کی خرابی ہے، مونا پا اور پیٹ کا بڑھ جانا خواتین کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اسی طرح چہرے پر مہاسے، کیل، جھانیاں بھی پیٹ کی خرابی سے ہوتی ہیں۔



Wahid's
JAUHAR-E-HAZRY
واحد کا جوہر باضم

موٹا پا، پیٹ کا بڑھ جانا، معدے گرانی و تیزابیت -
کیل مہاسے، چھپ، مچھائیاں دور کرے
قیمت = 60 روپے

[illegible]

کراچی پھراس نکال آیا کرتی ہوں مگر آپ نے ہر غم انداز
 کی انداز انار کے خود کو بل کر ماضی بنایا ہے۔ بیڑوں کی
 بے انتہائی بیڑوں کی لڑائی اور بیڑوں کی خود غرضی
 سب سے آپ کو بھی اندیشہ ہو چکا ہے جانتا تھے۔
 مگر جس قسماری طرح اپنے دکھوں کے اشتہار
 نہیں چکا چڑھا رہا ہے وہ بڑے کلمے
 میں بھی دل کی بات صرف آپ سے کر رہی ہوں
 وہ خود راہ میں رہی۔ کیا اب انسان شریک
 زندگی سے بھی دکھ نہ کھتا بنے۔
 ضرور بنے۔ مگر وہ کدو کدو ہیں۔ کدو تہ
 میں کہاں کیلے اگلے اڑا آتی ہو۔ دکھوں میں را
 نہ صرف کدو آجاتا ہو۔
 جزو ایک پھر چکر لگا دیا۔ حالانکہ اس کا دل
 قانون سے ہمدردی محسوس کرنا ہے حد گزرتا ہو ماحول
 چلیں اب کھڑے چلیں پیچ پریشان ہو رہے ہوں
 کے کہ بڑھا کر کیا ماحول آزار ہے ہیں۔
 کے کہ بڑھا کر کیا ماحول آزار ہے ہیں۔
 کے کہ بڑھا کر کیا ماحول آزار ہے ہیں۔

ماتھے ہیں کہ وہ اپنے سارے میں اتنی گن جو ہاں تک کہ
انہیں کیلئے کی یاد دلانے نہ آئے اور تم اس بات پر مہمور
ہونے کے بجائے انہاں سے شال ہو۔“

”تو کیا یوں شیخ صاحب! آپ جیسا دل نہیں ہے
میرا دور دورہ رشتہ بھی کرے اور دیکھ اس کے ہونے
کے انکار بھی کرے۔“ سچ کیس کی کوئی ایک یاد
نہیں! آپ کی یاد دلانے کی چٹان کیا ہے کہ میں
رہتے ہوئے نہیں دیکھوں کہ ان کو میرا تو ہم سے مل جاتا
کرے۔ ہم عثمانی کے مارے ہوئے لوگ ہمارے
نور کو لوگوں کے ہونے ہوئے سارا سامان ہر گھر ایک
دوسرے کی شکل دیکھنے والے۔ ہمیں خود اس وقت
دیکھ کر اس کے کیا پس ہے اس کے سامنے اور ہماری دونوں
ہموں میں ان کے پاس بھی ہمارے لیے وقت نہیں
ہے۔ مٹی کیسا بھی نہیں ہے۔“

”خود کو مصروف رکھنے کے سوا ہمارے ہیں۔۔۔
ہزاروں طریقے ہیں۔ صرف اولاد کا نہ دیکھنا خود دوسرے

تیم کا تاج: ”کیسے طریقہ؟“ وہ جو آپ نے اپنا کرنا
ہیں۔ اذخاروں کے مخموس معے عل کرتے رہنا۔ پڑی
پونگنے والے کواس ترین جشٹ مباحثہ کے سیاہی
پور کرام دیکھنا۔ برائے دوستوں کے ساتھ خلیج
اھل خیلوں کے کرداش میں خشک پگڑا۔ میں باز آئی
میں خیلوں کے دوریوں سے ان کے کوا کیا فائدہ
ہوایے جو تھمے ہوگا؟
”کیوں نہیں ہو فائدہ؟ تمھاری طرح بے کار بیٹھا
افعلی وابے نہیں پاتا رہتا نہ الٹا سیدھا سوچ کر
نفیائی لیں مریض پناہا ہوں۔“
”نفیائی نہ کسی عمر مریض ہوتن کے ہیں۔ وہ ہارت
ایک ایسے ہی نہیں ہو گیا قابل رہنے دیکھتے شیخ
صاحب۔ اگسی اور کے سامنے خود پر ہونے والے گانچھے
سمت بنائے زندگی کے چھٹن سال لڑا ہے میں آپ
کے ساتھ کیا میں جانی کر جو ہے سے مضروب بنے
رہنے کے بابا جو آپ آدرا سے اچھے سے مضروب ہوئے
ہیں۔ میں یوں بل کر نہ۔ یا ست بل کر مجھے اتو دودھو

نہیں کہ آتے ہی تیس چالیس ہزار ماہانہ والی تنخواہ مل جائے گا ورنہ بارہ ماہ تک مجھ سے سرمایہ میری تو زندگی برباد ہوگی ہی آپ بتائیے آپ کو کیا ہے؟ گا؟ کیا ہے؟ تیس تیس ہزار ماہانہ آپ کو کچھ خرچا چاہیے ہوں؟ آپ نے فل ٹائم ملازم رکھا ہوا ہے؟ مرسولت اسے کتنے سے اچھا علاج سہا ہے؟ جب کیا ہوگا؟ اپنے چچا پاپا کو کیا یہ گھر چلائی گا؟

اس نے راستے میں یاد کیا وہ ابسٹی کسی روٹ ٹوٹے کی طرح دو ہزار ماہانہ شروع کیا حالانکہ شام کو اس نے طے کیا تھا کہ اب وہ اس موضوع پہ ابوجان سے کوئی بات نہیں کرے گا کیونکہ وہ چھ مہینے پہ تیار ہی نہ تھے۔ لیکن اب اس کے سامنے سوچ کا ایک شاور غلا تھا اور اس نے اسی زادے سے انہیں چھٹا پچھلا انگ پات کے نیازا سے اس کی تقریر کا صرف ابتدائی اور تنہیدیں حدیں نہ کر ہی تو کھینچا۔

”رہن کی کی کا روایت نہ دو۔“ جتنا نصیب میں لکھا ہو اتنا ہی ملتا ہے اور یہ گھر مٹا ہے اگر تمہارے نصیب میں اللہ نے رہن کی برکت نہیں ہے تو چاہیے پاکستان آ کے ہی رہ جاؤ۔ برکت برکت ہی ہے کسی اور اگر خدا خواست تھی کتنی تو وہ دہلیروں پندوں والے ملکوں میں بھی کسی بہر ہستی ہے۔ یہ سب بے کار باتیں ہیں۔ زیادہ اہمیت یہ ہے کہ تم اس آخری عمر میں سہنس اور تمہاری بچوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور دلوں کو زیادہ سے زیادہ خوشگوار بنانا چاہتے ہیں۔ کھلو دیکھنا تار حق ہے۔

”آپ کی یہی غلط فہمی تھی وہیں دور کرنا چاہتا ہوں کہ قریب ہوئے میں ہی کمرہ ہے میں سات سہندریار ہوں گھر میرے بچوں کا میرے بہن کے بچوں سے روز رات ہی میٹ پہ لگا رہتا ہے۔ میں بیٹھے میں بیٹیاں آپ کو ایک ایک کھنے کا فون کر رہا ہوں۔ یہ میرے لیے۔ اور میں آپ دونوں کے لیے فکر مند رہتا ہوں۔ محبت کرنے اور خیال رکھنے کے لیے ساتھ رہتا ضروری نہیں ہے۔ اور ایسا ہو تا تو وہ سب لوگ بھی سہی ہوتے جو بیٹوں بھوسوں کے جھگڑے میں رہتے

”کیا مطلب؟“ وہ چونکا۔
”بے اولاد ہیں تو۔“
”مم۔ مم۔“ اس انکشاف نے اسے ہکا بکا کر دیا۔
”وہ؟“ وہ میں نے خود سنا۔ وہ وہ بیٹے چار پوتے ہیں۔ اولاد ہے۔ انا ہی۔ وہ کھانا لے لے۔
”میاں آئے میاں۔“ وہ سال ہوئے والے ہیں۔
آتے ہی سب کو انہوں نے یہی سب بتایا تھا جو تم جانتے ہو مگر چلایا سب حقیقت جان گئے۔ وہ

بے اولاد ہیں اور خوشی کے بہتیشیں سال بعد ہی محرومی جیسے ان کے اندر کھڑے کے کہ میں ذہنی مریض بن چکی ہے۔ وہ ایک نارمل زندگی جی رہے ہیں۔ یہ اہلکار سے نارمل۔ مگر اس ایک معاملے میں وہ اپنے آپ کو دھوکا دے ہوئے ایک خیالی زندگی جی رہے ہیں۔
”تو یہ مگر گرو چان کی شکل دیکھنے کا گوا سے حیران کر رہے۔“

”میں ایک بار ان سے ملنے گئی تو بے چاری رسیالوں میں سے تصویریں ٹکٹ کاٹ کر ام بی گاہی تھیں کہ میرا انا سا ہو تو اپنی ایسا ہو پائی ہوئی تو اپنی ہی بیاں بانی بانی اس کا اس کے بعد وہ بار بار ہوا سوئے کا سیت بولی اس کا اس کے بعد وہ بار بار ہوا سوئے سب تصاویر قریب و کریداروں پہ لگی تھیں وہ بھی اور چند ایک وہ بھی اور ان سب سے تعارف انہوں نے یہی کہ کر دیا کہ یہ ان کے بیٹے ہیں بھروسہ اور ان کے بچوں کی تحویلوں ہیں۔“

”شاید وہ خود بھی دھوکا دیتے ہوں کہ اگر ہمارے بیٹے ہوتے تو ہم کی زندگی جی رہے ہوتے۔“ ناقدی کی خور کی کہ وہ خود کو یہ احساس دلاتا چاہتے تھیں اولاد کے نہ ہونے سے انہیں وہ دھوکہ بھی بھجنا نہیں رہے۔ سو بوری کا ہونے سے سنا پڑتے ہیں۔ پاپا ایک دھوکا آج کے بعد ہم بھی خود کو لپا کر لیں گے۔ ایک دوسرے کو یہ کہہ کر ملا لیا کریں گے۔“